29

اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ
کی ترتیبِ الفاظ میں حکمت

(فرمودہ 28جولائی1944ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"مجھے چونکہ کل سے نقرس کے درد کا دورہ ہے اِس لیے مَیں جمعہ کے ساتھ ہی عصر کی نماز بھی جمع کر کے پڑھاؤں گا۔ کیونکہ بار بار مَیں باہر نہیں آسکتا۔ اِسی طرح خطبہ بھی لمبا نہیں پڑھ سکتا کیونکہ مجھے تکلیف ہے۔

ہماری شریعت کی یہ ایک امتیازی شان ہے کہ جو باتیں بھی خدا تعالیٰ کے کلام میں پائی جاتی ہیں خواہ وہ الہامات جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئے یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا کلام، کیونکہ وہ بھی الٰہی تصرف کے ماتحت ہے اِن دونوں میں اِس بات کو مد نظر رکھا گیا ہے کہ اِن میں کوئی بات زائد اور فضول نہیں۔ دونوں میں تھوڑے سے تھوڑے الفاظ زیادہ سے زیادہ معنوں کے حامل ہوتے ہیں۔ پھر جس رنگ میں وہ الفاظ ہوتے ہیں یہ نہیں کہ اُن کی ترتیب یونہی رکھ دی گئی ہے بلکہ وہ الفاظ حکمت کے ماتحت

ہوتے ہیں۔ مثلاً ہمارے کلمہ کا پہلا جُزو یہ ہے اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اِس کلمہ کی اصل غرض تو یہ ہے کہ خدا کی توحید کو قائم کیا جائے اور خدا سے بندے کو روشناس کرایا جائے۔ لیکن اِس فقرہ کی بناوٹ اِس کے اُلٹ ہے۔ بجائے اللہ سے پہلے روشناس کرانے کے پہلے معبودانِ باطلہ کی نفی کی۔ یہ نہیں فرمایا کہ اللہ موجود ہے یا اللہ ایک ہے اور اُس کے سوا اَور کوئی معبود نہیں۔ مثلاً اَشْھَدُ اَنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْاِلٰہُ وَ لَا اِلٰہَ سِوَاہُ نہیں فرمایا تا پہلے اللہ کا اِلٰہ ہونا ثابت ہو اور بعد میں دوسرے معبودانِ باطلہ کی نفی کی جائے بلکہ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فرمایا۔ یعنی مَیں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود نہیں مگر اللہ تعالیٰ معبود ہے۔ پس کلمہ کے اِس جُزو میں معبودانِ باطلہ کی نفی پہلے کی گئی ہے اور بعد میں اُس چیز کو رکھا ہے جو اصل مقصود تھی۔ جہاں ہم دیکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے باقی کلمات سب کے سب پُر حکمت ہیں تو اِس میں بھی کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہے۔ اِس حکمت کو سمجھنے کے لیے اگر ہم غور کریں کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اُس کو سب سے پہلے کس چیز سے روشناس کرایا جاتا ہے۔ آیا سب سے پہلے اللہ سے روشناس کرایا جاتا ہے یا غیر اللہ سے؟ تو اِس کلمہ کی طبعی ترکیب ہماری سمجھ میں آجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا علم ایسا ہے جو دوسری چیزوں کے علم اور معرفت کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ کلّی علم ہے۔ بعض چیزیں اپنی ذات میں نظر آنے والی ہوتی ہیں۔ ان کے دیکھنے سے انسان کو اُن کا علم ہو جاتا ہے۔ مثلاً بچہ کے سامنے اگر اُنگلی رکھیں تو قطع نظر اِس سے کہ وہ اس قسم کی تفصیلات معلوم کرے کہ اُس انگلی کے پیچھے ایک پنجہ ہے اور اُس پنجہ کے پیچھے ایک بازو ہے اور اُس بازو کے پیچھے کندھا ہے۔ وہ کندھا گردن کے واسطہ سے سر سے ملتا ہے اور اُس سر میں ایک دماغ ہے کہ جس کے حکم سے ان چیزوں نے حرکت کی ہے اور پھر یہ اُنگلی میرے سامنے آگئی ہے۔ وہ یہ سمجھ لے گا کہ اِتنی لمبی اور اِتنی موٹی ایک چیز سامنے آگئی ہے۔ پس اُنگلی کا علم باقی علم کی ضرورت کا پابند نہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات کا علم کلی علم کے طور پر ہے اور جب تک جزئیات کا علم نہ ہو اُس وقت تک کُلّی علم حاصل نہیں ہو سکتا۔ ہم خدا تعالیٰ تک اُس کی مخلوقات کے ذریعہ سے پہنچتے ہیں اور پھر اس میں بھی تکمیل کے بعد تکمیل اور وسعت کے بعد وسعت پیدا ہوتی چلی جاتی ہے۔ ایک چیز کے علم کے بعد دوسری چیز کا علم حاصل ہوتا ہے،

دوسری کے بعد تیسری چیز کا اور تیسری کے بعد چوتھی کا علم حاصل ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ مخلوق کی جزئیات کا علم ہوتے ہوتے انسان خدا تعالیٰ تک معرفت پیدا کرتا جاتا ہے۔

ایک ادنیٰ سے ادنیٰ انسان بھی اگر غور کرے تو اُس کے لیے بھی خدا تعالیٰ کی ہستی کی دلیل موجود ہے۔ جیسے ایک اعرابی سے کسی نے پوچھا کہ تم خدا کو کیوں مانتے ہو، اُس کے موجود ہونے کی تمہارے پاس کیا دلیل ہے؟ تو وہ ہنس پڑا کہ مَیں اِتنا پاگل تو نہیں ہوں کہ خدا کو بھی نہ پہچان سکوں۔ بکریوں کی مینگنیاں راستہ میں پڑی ہوئی ہوتی ہیں تو مَیں ان کو دیکھ کر سمجھ لیتا ہوں کہ یہاں سے بکری گزری ہے، اونٹ کا پاخانہ پڑا ہوا ہو تو اُسے دیکھ کر مَیں سمجھ لیتا ہوں کہ اِدھر سے اونٹ گزرا ہے۔ تو کیا اِتنی وسیع دنیا کو دیکھ کر مَیں نہیں سمجھ سکتا کہ ایک خدا موجود ہے جو اِس ساری دنیا کا خالق اور اِس نظام کا پیدا کرنے والا ہے؟ یہ ایک بسیط علم ہے جس پر فلسفیوں نے اعتراض کیا ہے کہ آخر اتفاقات بھی تو ہوتے ہیں؟ اس لیے خالی زمین وآسمان کی پیدائش اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ اِن کا کوئی خالق ہے۔ بعض چیزیں اتفاقاً ہو جاتی ہیں۔ ہم روزمرہ دیکھتے ہیں کہ دنیا میں کوئی بات اتفاقاً ہو جاتی ہے اور تمام لوگ کہتے ہیں کہ یہ اتفاقی بات ہے۔ قرآن مجید نے فلسفیوں اور مفکرینِ یورپ کے اِس اعتراض کی تردید میں یہ دلیل دی ہے کہ خالی اِس دنیا کا وجود بیشک خدا تعالیٰ کے خالق ہونے کی مکمل دلیل نہیں اور تم اِس کو اتفاقی کہہ سکتے تھے مگر اس تمام عالَم میں ایک ترتیب کا پایا جانا اور ہر ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ جوڑ موجود ہونا اور ہر ایک چیز اور اُس کے ایک ایک ذرّہ میں حکمت کا پایا جانا یہ سب کچھ اتفاقی نہیں۔ بلکہ اِس دنیا کی ترتیب اور ہر ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ جوڑ اور ہر ایک ذرّہ کی حکمت یہ سب چیزیں اِس بات کی دلیل ہیں کہ اِس سارے نظام اور ساری دنیا کا پیدا کرنے والا خدا موجود ہے جس نے حکمت کے ماتحت اِس ساری دنیا کو پیدا کیا ہے۔ انسان کی آنکھ پیدا کی جس میں دیکھنے کی طاقت رکھی تو اِس کے مقابل میں سورج کے اندر روشنی پیدا کی جس کے ذریعہ سے انسان دیکھتا ہے۔ ناک پیدا کی جس سے انسان سُونگھتا ہے تو اِس کے مقابل میں خوشبو پیدا کی۔ کان پیدا کیا جس سے انسان سنتا ہے تو اس کے مقابل میں ہوا میں یہ خصوصیت رکھی کہ وہ جُنبش کرتی ہے اور اُس کے ذریعہ سے کان تک آواز پہنچتی ہے۔ اب کیا

دیکھنے کے لیے اگر آنکھ اتفاقاً پیدا ہو گئی تو اِس کے مقابل میں سورج کی روشنی بھی اتفاقاً پیدا ہو گئی؟ سونگھنے کے لیے اگر ناک اتفاقاً پیدا ہو گئی تو کیا اِس کے مقابل میں خوشبو بھی اتفاقاً پیدا ہو گئی؟ اگر سننے کے لیے کان اتفاقاً پیدا ہو گئے تو کیا اس کے مقابل میں ہوا کے اندر بھی جُنبش کرکے کانوں تک آواز پہنچانے کی قابلیت اتفاقاً پیدا ہو گئی؟ پس اِن چیزوں کے اندر اگر کوئی جوڑ نہ ہوتا، کوئی ترتیب نہ ہوتی اور کوئی حکمت نہ ہوتی تو اِن کو اتفاق کہا جاسکتا تھا۔ لیکن دنیا کا کوئی ذرّہ ایسا نہیں جس میں کوئی ترتیب نہ ہو، کوئی ذرہ ایسا نہیں جس میں کوئی حکمت نہ ہو، کوئی چیز ایسی نہیں جس کا کسی دوسری چیز سے جوڑ اور وابستگی نہ ہو۔ تو ہم کس طرح مان لیں کہ یہ ساری کی ساری چیزیں اور یہ سارے کا سارا نظام خودبخود اور اتفاقی ہے۔ پس خدا تعالیٰ کے موجود ہونے کی یہ دلیل قرآن مجید نے دی ہے۔ مگر یہ دلیل اسی صورت میں فائدہ دے سکتی ہے جب انسان بڑا ہو اور اِن چیزوں پر غور کرے۔ آنکھوں سے دیکھے، دل اور دماغ سے سوچے، اِدھر اِن چیزوں پر نگاہ ڈالے، اُدھر اپنے دل کے جذبات پر غور کرے، سورج اور چاند کی روشنی کو دیکھے، ہوا اور اُس کے اثرات پر غور کرے، گرمی اور سردی کے اثرات کو دیکھے، سبزیوں اور ترکاریوں کے پیدا ہونے اور ان خاصیتوں پر غور کرے۔ جب تک وہ اِن چیزوں پر غور کرنے اور اِن سے نتیجہ نکالنے کی اہلیت نہیں رکھتا اُس وقت تک وہ خدا تعالیٰ تک کس طرح پہنچ سکتا ہے۔ یہ بات خلافِ عقل ہے کہ ایک بچہ اِن تمام چیزوں پر غور کرکے اِس نتیجہ تک پہنچ جائے کہ ایک خدا موجود ہے۔ بچہ تو سب سے پہلے اپنی ماں سے روشناس ہوتا ہے اور اُسی کو سب کچھ سمجھتا ہے۔ پھر جب اُس کو پتہ لگتا ہے کہ ماں کو بھی سب چیزیں باپ ہی لاکر دیتا ہے تو پھر وہ باپ سے محبت کرتا ہے۔ بڑا ہو کر جب اپنی گلی کے بچوں سے کھیلتا ہے تو پھر اُن سے محبت کرتا ہے۔ اگر اُس کا کوئی دوست نہ ملے تو رونے لگ جاتا ہے اور اصرار کرتا ہے کہ میرے دوست کو بلاؤ، اُس کے بغیر میرا گزارہ نہیں۔ پھر کھانے پینے اور پہننے کی چیزوں کا شوق پیدا ہوتا ہے تو اُن سے محبت کرتا ہے۔ اگر اُس کی مرضی کے مطابق کھانا نہ ملے یا مرضی کے مطابق کپڑا نہ ملے تو روٹھ جاتا ہے کہ میرا اُس کے بغیر گزارہ نہیں۔ پھر اَور بڑا ہوتا ہے تو سیر و شکار سے محبت کرتا ہے اور ان چیزوں کے بغیر اپنی زندگی کو بے لُطف سمجھتا ہے۔ غرض یہ چیزیں

ایک ایک کرکے اُس کے سامنے آتی ہیں اور ہر ایک کے متعلق وہ یہی اندازہ لگاتا ہے کہ اس کے بغیر میرا گزارہ نہیں۔ گویا وہی اُس کا خدا ہوتا ہے۔ مگر آہستہ آہستہ اِن سب کو چھوڑتا چلا جاتا ہے۔ پہلے ماں سے محبت ہوتی ہے تو اُسی کو اپنا خدا سمجھتا ہے، پھر باپ سے محبت ہوتی ہے تو اُسی کو اپنا خدا سمجھتا ہے، پھر بھائیوں اور دوستوں سے محبت ہوتی ہے تو اُن کو اپنا خدا سمجھتا ہے، پھر کھانے پینے اور پہننے کی چیزوں سے محبت ہوتی ہے تو اُن کو اپنا خدا سمجھتا ہے۔ یہاں تک کہ جب عاقل بالغ ہو جاتا ہے پھر اگر اُس پر خدا کا فضل ہو جائے، اچھا اُستاد مل جائے جو اُسے علم سکھائے اور ماں باپ بھی اچھی طرح تربیت کرنے والے ہوں تب وہ اِن تمام چیزوں کو چھوڑ کر اصلی خدا کی طرف آجائے گا اور سمجھ لے گا کہ یہ سب نقلی خدا تھے جن کو مَیں نے اپنی خواہشات کے ماتحت سب کچھ سمجھ رکھا تھا۔ اصل خدا تو یہ ہے جو اِن سب کا پیدا کرنے والا ہے۔ پس اِس طبعی ترتیب کے مطابق اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ ہی پہلے ہے۔ پہلے غیر اللہ کی محبت انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ میری زندگی کا سارا انحصار اِنہی پر ہے۔ لیکن ایک ایک کرکے پھر ان کو چھوڑتا چلا جاتا ہے۔ پہلے ماں کی گود کو ہی سب کچھ سمجھتا ہے اور اس سے الگ ہونے میں اپنی ہلاکت سمجھتا ہے۔ پھر بڑا ہوتا ہے تو بھائیوں اور دوستوں سے محبت کرنے لگتا ہے اور اپنی زندگی کا تمام سُکھ اور راحت انہیں کے ساتھ کھیلنے میں سمجھتا ہے۔ جب اُن سے مل کر کھیل رہا ہو تو ماں کے بلانے پر بھی نہیں جاتا۔ اُس کی ساری خوشی کھیلنے میں ہوتی ہے۔ پھر اَور بڑا ہوتا ہے تو سیر و شکار سے محبت ہوتی ہے۔ پھر صحن اور گلی میں کھیلنے کو بُھول جاتا ہے اور اُس کی ساری خوشیاں سیر و شکار میں ہوتی ہیں۔ اگر اُس کو اِن چیزوں سے روکا جائے تو اِس میں اپنی ہلاکت سمجھتا ہے۔ لیکن آہستہ آہستہ آپ ہی آپ اِن سب کو چھوڑتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب بلوغت کو پہنچ جاتا ہے تو غور و فکر کے بعد خدا کی حقیقی شکل اُس کو نظر آجاتی ہے اور اِن تمام چیزوں کو لغو سمجھ کر چھوڑ دیتا ہے۔

پس اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی ترتیب اِس حکمت کے ماتحت رکھی گئی ہے کہ طبعی طور پر انسان پہلے غیر اللہ سے روشناس ہوتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ ترقی کرکے اللہ تک پہنچتا ہے۔ اس لیے پہلے لَآ اِلٰهَ رکھا اور بعد میں اِلَّا اللّٰهُ فرمایا۔ اِسی ترتیبِ طبعی کے ماتحت

مفسرین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کی یہ تفسیر کی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے ستارہ کو چمکتا ہوا دیکھا تو اُس کو اپنا خدا سمجھ لیا، پھر چاند کو دیکھا کہ ستارہ سے بڑا اور اُس سے زیادہ روشن ہے تو اُس کو اپنا خدا سمجھ لیا، پھر سورج کو دیکھا کہ ستارے اور چاند دونوں سے بہت بڑا اور بہت زیادہ روشن ہے تو اُس کو اپنا خدا سمجھ لیا۔ مگر جب ایک ایک کر کے سب چُھپ گئے تو آپ نے فرمایا اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ۔ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ[1] آخر میں آپؑ خدا تعالیٰ پر ایمان لے آئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق یہ واقعہ درست نہیں مگر مفسرین کا دماغ اِس بات تک صحیح پہنچا ہے کہ انسانی دماغ بغیر الہام کے جب ہدایت پاتا ہے تو ادنیٰ سے اعلیٰ تک جاتا ہے۔ بچے کے نزدیک ابتدا میں اُس کی ماں ہی سب کچھ ہوتی ہے یا دوسرے لفظوں میں اُس کا خدا ہوتی ہے۔ بلکہ اُس کو ماں کی بھی خبر نہیں ہوتی۔ وہ سب سے پہلے پستان ہی کو اپنا خدا سمجھتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ مجھے اس سے دودھ ملتا ہے۔ اگر پستان نہ ملے تو روتا ہے۔ پھر ماں کو پہچانتا ہے تو اس سے محبت کرتا ہے۔ پھر باپ کو پہچانتا ہے تو اُس سے محبت کرتا ہے۔ پھر بھائی سے محبت کرتا ہے۔ پھر ساتھ کھیلنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ گلی اور محلے والوں سے محبت کرتا ہے۔ پھر دوسری ضروریات کھانے پینے اور پہننے کی چیزوں سے محبت کرنے لگتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کو اپنے اپنے مقام پر اپنا مقصود سمجھتا ہے۔ مگر آہستہ آہستہ اِن سب کو چھوڑتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ یہ چیزیں اُسے خدا تک پہنچا دیتی ہیں۔ اگر سال یا چھ ماہ کے بچہ کے اندر بولنے اور سمجھنے کی طاقت ہوتی اور اُسے کہا جاتا کہ تُو بڑا ہو کر اپنی ماں کی گود کو چھوڑ دے گا؟ تو وہ اِس بات سے اِتنا ہی حیران ہوتا جتنا کہ ایک سائنسدان اِس بات سے حیران ہوتا کہ اُسے کہا جائے آگ جلاتی نہیں بلکہ بجھاتی ہے یا سورج چلتا نہیں بلکہ کھڑا ہے یا چاند کی روشنی مکتسب نہیں بلکہ آپ ہی آپ ہے۔ غرض جس طرح ایک سائنسدان اوپر کی باتوں سے حیران ہو گا وہ بچہ بھی اگر اُس کو یہ بات سمجھائی جاسکتی کہ ایک دن وہ اپنی ماں کی گود سے اُتر جائے گا اور اُس کی رغبت اپنی ماں سے کم ہو جائے گی حیران ہوتا۔ اگر سات آٹھ سال کے بچہ کو یہ بات کہہ دی جائے کہ بڑا ہو کر تو ایک عورت سے شادی کرے گا اور اُس سے

تیری رغبت زیادہ ہو جائے گی اور تُو اپنی ماں کو چھوڑ دے گا تو وہ کہے گا مَیں ایسا پاگل نہیں ہوں کہ اپنی ماں کو چھوڑ دوں۔ وہ اَور ہوں گے جو ایسا کرتے ہیں۔ مَیں تو کبھی اِس طرح نہیں کر سکتا۔ تورات میں بھی انسان کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ تجھے یہ سزا دی جائے گی کہ تیرا بچہ تجھ کو چھوڑ کر اپنی عورت سے محبت کرنے لگ جائے گا۔2 پس یہ ایک فطرتی چیز ہے کہ انسان مختلف وقتوں میں مختلف چیزوں سے رغبت کرتا ہے اور جس وقت وہ اُس چیز سے رغبت کر رہا ہوتا ہے اُس وقت وہ یہ وہم بھی نہیں کر سکتا کہ ایک دن مَیں اِس چیز کو چھوڑ دوں گا۔ اور جب بڑا ہوتا ہے تو پھر اِس بات کا اُسے خیال بھی نہیں آتا کہ کسی وقت مَیں اِس چیز سے رغبت رکھتا تھا اور اِس کے بغیر اپنی زندگی حرام سمجھتا تھا۔

ہم نے دیکھا ہے کہ بڑا بچہ چھوٹے بچہ کو گود میں بیٹھا ہوا دیکھ کر بہت بُرا مناتا ہے اور حقارت سے اُس کی طرف دیکھ کر کہتا ہے کہ ہر وقت گود میں بیٹھا رہتا ہے، کبھی نیچے اُترتا ہی نہیں۔ اور اگر چھوٹے بچہ کو کھانے پر بیٹھا ہوا دیکھ لے تو کہے گا ہر وقت کھانے پر ہی دھرنا مار کر بیٹھا رہتا ہے، یہاں سے اُٹھنے کا نام ہی نہیں لیتا۔ مگر اُس کو پتہ نہیں کہ پہلے اُس کی بھی یہی حالت تھی۔ وہ بھی گود میں بیٹھتا تھا اور اُس سے نیچے نہیں اُترتا تھا۔ وہ بھی سارا دن کھانے پر بیٹھا رہتا تھا اور وہاں سے ہلنے کا نام نہیں لیتا تھا۔ پس جس چیز کو ایک وقت میں وہ خود اچھا سمجھتا تھا اُسی چیز کو دوسرے وقت میں حقیر سمجھتا ہے۔ جس چیز کو ایک وقت اپنے لیے ضروری سمجھتا تھا دوسرے وقت میں اُسی چیز کو دوسرے کے لیے غیر ضروری قرار دیتا ہے۔ یہی معنے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے ہیں کہ پہلے انسان غیر اللہ کی طرف توجہ کرتا ہے جو بظاہر غیر اللہ کا راستہ ہے۔ مگر اللہ تک پہنچنے کا اصل راستہ یہی ہے۔ اگر بچہ کے اندر پستان کی محبت نہ ہوتی تو اُس کے اندر ماں کی محبت بھی کبھی نہ ہوتی، اگر بچہ کو ماں سے محبت نہ ہوتی تو اُس کو باپ سے بھی کبھی محبت نہ ہوتی، اگر بچہ کو باپ سے محبت نہ ہوتی تو اُس کو بھائی بہنوں سے بھی کبھی محبت نہ ہوتی، اگر بچہ کو بھائی بہنوں سے محبت نہ ہوتی تو اُس کو دوستوں اور ساتھ کھیلنے والوں سے بھی کبھی محبت نہ ہوتی۔ اور اگر اُس کو اپنے اپنے وقت پر اِن اشیاء سے رغبت نہ ہوتی تو سچی بات یہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کو بھی اپنے وقت پر نہ پاسکتا۔ بات یہ ہے کہ انسان اپنی فطرت میں

جو خلاء محسوس کرتا ہے اُس کو پُر کرنے کے لیے وہ مختلف وقتوں میں مختلف چیزوں سے رغبت کرتا ہے کہ شاید یہ چیز میری ضرورت کو پورا کر دے۔ جب اُس چیز سے اُس کی تسلی نہیں ہوتی تو پھر دوسری چیز سے رغبت کرتا ہے کہ شاید اس چیز سے میری ضرورت پوری ہو جائے۔ پھر جب اُس چیز سے بھی اُس کا خلاء پُر نہیں ہوتا تو تیسری چیز سے رغبت کرتا ہے کہ شاید یہاں میرا مقصد مل جائے۔ جب اُس سے بھی اُسے طمانیت حاصل نہیں ہوتی تو پھر چوتھی چیز سے رغبت کرتا ہے کہ شاید یہی میرا مقصود ہو۔ یہاں تک کہ ایک ایک کر کے اِن تمام چیزوں کو چھوڑتا چلا جاتا ہے اور آخر خدا تک جا پہنچتا ہے۔ پس لَا اِلٰہَ راستہ ہے اِلَّا اللّٰہُ کا۔ جو شخص اپنے خدا سے ملنے کی سچی تڑپ رکھتا ہے اور اُس کو پتہ نہیں کہ وہ کہاں ہے وہ اپنی اس تڑپ میں ہر غیر اللہ کو اللہ سمجھ لیتا ہے اور اُس کی پرستش شروع کر دیتا ہے۔ یعنی اُس کی طرف کامل طور پر متوجہ ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب اُس کو اللہ مل جاتا ہے تو اُس کو پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے اور پھر اس مقام سے نہیں ہلتا۔ جس طرح ایک شخص زید کی تلاش میں ہو اور اُسے پتہ نہ ہو کہ زید کہاں رہتا ہے؟ وہ ایک دروازہ پر جا کر دستک دیتا ہے اور پوچھتا ہے کہ کیا زید یہاں رہتا ہے۔ اندر سے جواب ملتا ہے یہاں نہیں آگے جاؤ۔ آگے جا کر وہ دوسرے دروازے پر دستک دیتا ہے اور پوچھتا ہے کہ کیا زید یہاں ہے؟ وہاں سے بھی یہی جواب ملتا ہے کہ یہاں نہیں آگے جاؤ۔ یہاں تک کہ مختلف دروازوں پر پھرتے پھراتے جب اُسے زید کا دروازہ مل جاتا ہے تو پھر وہاں بیٹھ جاتا ہے۔ پس اس شخص نے غیر زید کا جو دروازہ بھی کھٹکھٹایا وہ غیر زید کی محبت میں نہیں کھٹکھٹایا بلکہ زید کی محبت اور زید سے ملنے کی تڑپ میں کھٹکھٹایا۔ پس ہم یہ نہیں کہیں گے کہ وہ غیروں کے دروازہ پر پھرتا رہا بلکہ زید کی محبت اور تڑپ اُس سے یہ کام کروا رہی تھی اور وہ ہر غیر زید کا دروازہ، زید کا دروازہ سمجھ کر کھٹکھٹاتا رہا۔ اُسے غیروں سے محبت نہیں تھی بلکہ زید کی محبت اور زید کی تلاش تھی یہاں تک کہ اُس کی تڑپ اُس کو زید کے دروازے تک لے آئی۔

پس بچپن میں غیر اللہ سے روشناس ہونا اللہ تک پہنچنے کا رستہ ہے۔ کیونکہ وہ ہر غیر اللہ کے پاس اللہ سمجھ کر جاتا ہے لیکن عقلی "لَا اِلٰہَ" "اِلَّا اللّٰہُ" تک پہنچنے کا رستہ نہیں۔

جس شخص کو بڑے ہو کر اللہ کا علم ہو چکا ہو اُس کا غیر اللہ کی محبت میں پھنسے رہنا عرفان نہیں بلکہ ضد اور ہٹ دھرمی کہلائے گا۔ جس طرح اُس شخص کو جو زید کی تلاش میں تھا اگر معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ زید کا گھر نہیں بلکہ غیر زید کا ہے اور وہ زید کی تلاش کو چھوڑ کر وہیں بیٹھ جاتا ہے تو اُس کا ٹھہر جانا عرفان نہیں کہلاتا بلکہ ہٹ دھرمی کہلاتا ہے۔ پس اِلَّا اللّٰہُ سے پہلے لَآ اِلٰہَ ایک فطرتی دروازہ ہے جس سے گزر کر انسان خدا تک پہنچتا ہے۔ بچہ ماں کی محبت میں سے گزرتا ہے، باپ کی محبت میں سے گزرتا ہے، بھائی کی محبت میں سے گزرتا ہے، دوستوں اور ہمجولیوں کی محبت میں سے گزرتا ہے، کھیل کُود کی محبت میں سے گزرتا ہے، کھانے پینے اور پہننے کی چیزوں کی محبت میں سے گزرتا ہے اور ان سب چیزوں میں سے گزر کر آخر خدا تک جا پہنچتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِلٰی رَبِّکَ مُنْتَھٰھَا[3] کہ ان تمام چیزوں میں سے جو غیر اللہ ہیں گزر کر ایک دن انسان اپنی منزل مقصود یعنی خدا تک جا پہنچتا ہے اور وہ فوراً ہی اس منزل پر نہیں پہنچ جاتا۔ بلکہ راستہ میں کئی چیزیں آتی ہیں جن کو بچپن کی وجہ سے خدا سمجھ لیتا ہے۔ پستان کو بھی خدا سمجھ لیتا ہے، ماں کو بھی خدا سمجھ لیتا ہے، باپ کو بھی خدا سمجھ لیتا ہے، دوستوں کو بھی خدا سمجھ لیتا ہے، کھانے پینے اور پہننے کی چیزوں کو بھی خدا سمجھ لیتا ہے مگر آہستہ آہستہ ان سب کو چھوڑتا چلا جاتا ہے اور ہر چیز اُس کی انگلی پکڑ کر اُسے خدا کے قریب کر دیتی ہے۔

پس اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں یہ حکمت ہے کہ اگر انسان نیک نیتی اور حقیقی تڑپ کے ساتھ خدا کی تلاش میں بظاہر غیر اللہ سے محبت کرتا ہے اُس کی محبت اور تڑپ آخر اُسے خدا کی طرف لے جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ الَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا[4] کہ جو شخص سچی محبت اور حقیقی تڑپ کے ساتھ ہماری تلاش کرتا ہے، ہماری تلاش میں اُس کا ہر قدم اُسے ہمارے قریب کرتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ہمارے پاس پہنچ جاتا ہے۔ اِس نکتے کو اگر ہم سمجھ لیں تو دنیا کی ساری خرابیاں دور ہو جائیں۔ دنیا کی ساری خرابیاں اِس وجہ سے ہوتی ہیں کہ اللہ کا علم ہونے پر بھی انسان نیک نیتی سے اُس تک پہنچنے کی جدوجہد نہیں کرتا۔ اُسے اللہ تعالیٰ کا علم تو ہوتا ہے مگر پیار نہیں ہوتا۔ اُسے

اللہ تعالیٰ کا علم تو ہوتا ہے مگر اُس تک پہنچنے کی حقیقی تڑپ نہیں ہوتی۔ اِس لیے جب بھی اُسے ٹھوکر لگے وہ خدا کو چھوڑ دیتا ہے اور غیر اللہ کی محبت میں پھنس کر رہ جاتا ہے۔

تھوڑا عرصہ ہوا مَیں نے قادیان میں عورتوں کے درس میں یہ بات بیان کی تھی کہ معلوم ہوتا ہے عورتوں کا ایمان مردوں کے لیے ہوتا ہے۔ قادیان میں جتنے مردوں پر بھی ابتلاء آئے اور وہ مرتد ہوئے اُن سب کی بیویاں بھی اُن کے ساتھ ہی مرتد ہو گئیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا دین اور اُن کا ایمان صرف خاوند کی وجہ سے تھا۔ جب خاوند کہتا تھا احمدیت ٹھیک ہے بیوی بھی کہتی تھی احمدیت ٹھیک ہے۔ جب خاوند نے کہہ دیا کہ احمدیت درست نہیں تو بیوی نے بھی ساتھ ہی کہہ دیا کہ احمدیت درست نہیں۔ جب خاوند کہتا تھا خدا ہے بیوی بھی کہتی تھی خدا ہے اور جب خاوند کہتا ہے خدا کوئی نہیں بیوی بھی کہتی ہے خدا کوئی نہیں۔ جس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ ایسی عورتوں کو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کی سچی محبت اور تڑپ نہیں ہوتی بلکہ غیر اللہ سے پیار ہوتا ہے۔ پس خدا تعالیٰ تک پہنچنے سے پہلے درمیان میں جتنی چیزوں سے انسان محبت اور رغبت کرتا ہے یا تو عدمِ علم کی وجہ سے کرتا ہے جیسے بچہ کو علم نہیں ہوتا وہ تو ضرور اصل مقام پر پہنچے گا کیونکہ اُس کے اندر حقیقی تڑپ ہے جو اُسے وہاں تک پہنچائے گی۔ اور یا اللہ کا علم ہونے کے بعد بھی غیر اللہ سے رغبت رکھتا ہے اور اُن کی محبت کو نہیں چھوڑتا وہ لازمی طور پر گمراہ ہے۔ کیونکہ وہ اُس فطری خلاء کو پُر کرنے کے لیے غیر اللہ پر نہیں ٹھہرا بلکہ اصل چیز سے اُسے بُعد اور تنفّر ہے جس کی وجہ سے وہ غیر اللہ پر ہاتھ مارتا ہے اور اُس کو چھوڑ نہیں سکتا۔ پس اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں بتایا کہ تم اگر اپنی فطرت پر غور کر کے دیکھ لو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس طرح قدم قدم پر تم غیر اللہ کو چھوڑتے آئے ہو۔ پستان کو چھوڑا، ماں کی گود کو چھوڑا، ساتھ کھیلنے والوں کو چھوڑا، سیر و شکار کو چھوڑا، کھانے پینے اور پہننے کی چیزوں کی محبت کو چھوڑا اور آخر جب ہمارے پاس پہنچ گئے تو یہاں آکر پھر ایسا دھرنا مارا کہ پھر یہاں سے نہیں ہلا۔ کیونکہ یہی اُس کا اصل مقصود تھا جو اُسے مل گیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر تیرے سر پر آرہ رکھ کر تجھے چِیرا جائے اور پھر بھی تیرے ایمان میں تزلزل یا وسوسہ پیدا نہ ہو تو یہ

ادنیٰ بشاشتِ ایمان ہے۔5 جب انسان کے سر پر آرہ رکھ کر اُس کو چِیر دینا اور اُس کا متزلزل نہ ہونا ادنیٰ بشاشتِ ایمان ہے تو پھر اعلیٰ کیا ہوگی۔ دنیا میں یہ انتہاء درجہ کی جسمانی سزا ہے کہ انسان کے سر پر آرہ رکھ کر اُسے چیر دیا جائے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ ادنیٰ بشاشتِ ایمان ہے کہ انسان اِس سزا کو قبول کر لے۔ پس معلوم ہوا کہ جب انسان غیر اللہ کو چھوڑ کر خدا کے دروازہ پر جا پہنچتا ہے تو پھر کوئی چیز اُسے وہاں سے نہیں ہلا سکتی۔ اُس کے سر پر آرہ رکھ کر اُس کو چِیر دیا جائے تب بھی وہ اس مقام سے پیچھے نہیں ہٹ سکتا اور کوئی چیز اُسے وہاں سے متزلزل نہیں کر سکتی۔

بدر کی جنگ کے موقع پر ایک عورت کا بچہ گم ہو گیا۔ وہ اُس کی تلاش میں اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر بھاگی پھرتی تھی۔ راستہ میں جو بچہ بھی اُسے مل جاتا وہ اپنی تڑپ اور محبت کی وجہ سے اُس بچہ کو گلے سے لگا لیتی۔ تھوڑی دیر پیار کرتی اور پھر اُسے چھوڑ کر آگے چلی جاتی۔ یہاں تک کہ جب اس کا اپنا بچہ مل گیا تو اُسے لے کر وہ اطمینان سے بیٹھ گئی۔ اِسی طرح انسان پہلے غیر اللہ کو اپنا معبود سمجھ کر غلط فہمی میں اُس سے پیار کرتا ہے مگر پھر اُس کو چھوڑ دیتا ہے یہاں تک کہ لَآ اِلٰہَ سے گزر کر اِلَّا اللّٰہُ تک پہنچ جاتا ہے اور پھر وہاں سے نہیں ہلتا۔ راستہ میں چلنے والا انسان ہلتا رہتا ہے۔ مگر جو اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ جائے وہ نہیں ہلا کرتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں کفارِ مکہ ابوطالب کے پاس آئے اور کہا کہ ہم تمہارے بھتیجا کی باتیں سن سن کر تنگ آ گئے ہیں۔ آئے دن ہمارے معبودوں کی جو ہتک کی جاتی ہے اب ہم اِس کو برداشت نہیں کر سکتے۔ اِس لیے یا تو آپ اپنے بھتیجے کو سمجھائیں کہ وہ اِن باتوں سے باز آ جائے اور یا آپ اس کی حفاظت چھوڑ دیں۔ ابوطالب نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا اور کہا کہ اے بھتیجے! آج قریش کے سردار میرے پاس آئے تھے اور انہوں نے کہا ہے کہ یا تو تم اپنے بھتیجے کو سمجھاؤ کہ وہ ہمارے معبودوں کی ہتک سے باز آ جائے اور یا تم اس کی حفاظت چھوڑ دو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے چچا! اگر یہ لوگ سورج کو میرے دائیں ہاتھ پر اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ پر رکھ دیں تب بھی مَیں اُن باتوں کے کہنے سے نہیں رُک سکتا جن کا کہنا خدا کی طرف سے مجھ پر فرض ہے۔6 پس اپنی جگہ پر پہنچی ہوئی چیز کہاں ہِل سکتی ہے۔

غیر اللہ والے ملتے رہتے ہیں اور کبھی ایک جگہ پر نہیں ٹھہرتے۔ مگر جو اللہ کو پا لیتے ہیں وہ کبھی اپنی جگہ سے نہیں ہلتے چاہے زمین و آسمان ہل جائیں۔ اسی لیے فرمایا یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ۝ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً۝[7] جو شخص خدا تک پہنچ جاتا ہے اُس کے اندر کوئی اضطراب نہیں رہتا اور اسے طمانیت نصیب ہو جاتی ہے۔ پس اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی ترتیب والفاظ میں ایک حکمت ہے کہ انسان غیر اللہ کے واسطہ سے اللہ تک پہنچتا ہے اور اُن چیزوں سے جو غیر اللہ ہیں پہلے اُن کو اپنا مقصود سمجھ کر اُن سے رغبت رکھتا ہے۔ مگر پھر آہستہ آہستہ اُن کو چھوڑ کر اللہ تک پہنچ جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص ایسی چیزوں سے رغبت رکھتا ہے جو غیر اللہ ہیں اور پھر اُن کو چھوڑنا نہیں چاہتا تو اُس کی مثال ایسی ہے جیسے سفر میں چلنے والا انسان کسی جگہ پر ستانے کے لیے بیٹھ جائے اور پھر وہاں سے نکلنے کو اُس کا دل نہ چاہے تو ایسے شخص کے متعلق یہی سمجھا جائے گا کہ اُس کے دماغ میں خرابی ہے۔ پس بچپن میں دوسری چیزوں کی طرف متوجہ ہونا اَور بات ہے۔ لیکن جب انسان جوان اور عقلمند ہو کر بھی اصل مقصود کو چھوڑ کر غیر اللہ سے رغبت رکھتا ہے تو یہ بچپن سے بھی گئی گزری بات ہے اور اُس کی ضد اور جہالت کی علامت ہے۔ جب انسان خدا تعالیٰ کا علم ہونے پر بھی غور نہ کرے اور دوسری چیزوں کی طرف متوجہ ہو تو آخر اُس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے اور اُس پر زنگ لگ جاتا ہے"۔ (الفضل 6/اگست 1944ء)

---

1 :الانعام:79، 80

2 : متی باب 19 آیت 5

3 :النازعات:45

4 :العنکبوت:70

5 :بخاری کتاب المناقب بَاب مَا لَقِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهُ مِنَ الْمُشْرِكِینَ بِمَكَّةَ

6 : سیرت ابن ہشام۔ الجزء الاول صفحہ 463، 464 مطبوعہ قاہرہ 1964ء

7 :الفجر:28، 29